کردہ، مقرر کردہ اور انسان کی نفع رسانی کے لیے ہیں نہ کہ ہلاکت و بربادی کے لیے۔

ذَالِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ؕ[1] — یہ سب اللہ عزیز و علیم کی منصوبہ بندی ہے۔

اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ۔ وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ ۲ — تم بھی میزان میں تجاوز نہ کرو اور ٹھیک تولو پورے انصاف کے ساتھ اور وزن میں کمی نہ کرو۔

کائنات سے متعلق متعدد آیات ہیں وہ بالعموم لام کے ساتھ ہیں جو نفع کے لیے آتا ہے۔ مثلاً

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۳ — اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے پیدا کیا وہ سب کچھ جو زمین میں ہے۔

وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ۴ — اللہ ہی نے تمہاری خدمت میں لگا رکھا ہے ان چیزوں کو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ سب کو اپنی طرف سے۔

مطالعہ کائنات نوری پیکر کے جلو میں مطلوب ہے

کائنات کا مطالعہ

اسی روشنی میں جو اللہ نے روشن کیا ہے اور اسی نوری پیکر کے جلو میں جو ہدایت الٰہی نے تیار کیا ہے ہلاکت و بربادی سے محفوظ رکھتا ہے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا ۵ — اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُکُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰی وَفُرَادٰی ثُمَّ تَتَفَکَّرُوْا مَا بِصَاحِبِکُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۶ — آپ کہہ دیجئے بس تمہیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں وہ یہ کہ تم اللہ کی خاطر دو دو ایک ایک کر کے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر غور کرو تمہارے ساتھی کو کوئی جنون نہیں ہے۔

---

۱ یٰس آیت ۳۸ ۲ رحمٰن آیت ۹/۱۰ ۳ بقرہ آیت ۲۹ ۴ جاثیہ آیت ۱۳ ۵ تغابن آیت ۵ ۶ سبا آیت ۴۶۔

یہ نوری پیکر ہر نبی اور اُس کی لائی ہوئی ہدایت نے تیار کیا لیکن اس پر سبھی کا اتفاق ہے کہ وہ اصلی شکل میں محفوظ نہیں رہا۔ صرف قرآن ہی ایسا ہدایت نامہ ہے، جو کامل و جامع شکل میں خود ہی محفوظ ہے اور اس میں یہ نوری پیکر بھی محفوظ ہے جس کے جلو میں کائنات کا مطالعہ مطلوب ہے کہ اس کے بغیر ہلاکت و بربادی سے تحفظ کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔

(بقیہ: چند دردمندانہ تجاویز)

ہیں گو اب کسی درجہ میں ان کا سدباب کیا گیا ہے لیکن چور ابھی ہیرا پھیری سے باز نہیں آرہا جس کا سدباب ضروری ہے۔

اور ابتداسے لے کر انتہا تک پورے ملک میں طلبہ کے لئے ایک یونیفارم لازم ہو تاکہ طلباء میں طبقاتی کشمکش اور اس قسم کے مفاسد پیدا نہ ہوں۔ اور وہ وحدت میں پروئے جائیں۔ آخری درجہ میں "درسگاہ" آتی ہے جس کی عمارت، ماحول اور ہر چیز میں قومی وقار اور ملی روایات کی جھلک نظر آئے، آپ نے دیکھا انگریز نے ہر نوع کی عمارت کو ایک قسم کا گرجا بنا کر چھوڑ دیا تھا جو اس کے احساس حکمرانی یا غاصبانہ قبضہ کی نشانی تھی، ہماری عمارات بالخصوص درسگاہیں ایسی ہوں جن میں مسجد کا سا تقدس ہو کہ ہماری تو مسجد ہی اصل درسگاہ ہے، درسگاہ کا ماحول اتنا پاکیزہ ہو کہ اس میں فرشتوں کی سی صفائی و پاکیزگی نظر آئے۔ طلباً بطور خاص اسے اپنے گھر سے زیادہ قیمتی خیال کریں اور ان کے ذہن میں یہ بات بٹھائی جائے کہ ان کا علم جہاں اساتذہ، کتابوں اور اپنی محنت کا نتیجہ ہے وہاں اس میں یہ دیواریں اور چھتیں بھی حصہ دار ہیں۔

اگر ان باتوں کا لحاظ و اہتمام کر لیا جائے تو امید قوی ہے کہ تعلیم میں جس زوال کا ہم رونا رو رہے ہیں وہ ختم ہو جائے گا اور ہماری درسگاہوں میں فی الحقیقت شرافت و نیکی اور تقوی و طہارت کے پیکر پروان چڑھ سکیں گے۔

مضاربت کی حقیقت اور شرعی حیثیت (آخری قسط)

مضاربت اور قیاسی دلائل

مولانا محمد طاہر مبین

قراض و مضاربت کے جواز کے لئے فقہاء کرام نے جو عقلی اور قیاسی قسم کی دلیلیں پیش فرمائی ہیں ان میں سے ایک یہ کہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کے پاس تجارت کے لئے سرمایہ تو ہوتا ہے لیکن کسی عذر جیسے بیماری، بچپنے، بڑھاپے، ناتجربہ کاری کی وجہ سے وہ خود تجارت کا کام نہیں کر سکتا۔ دوسری طرف ایک شخص کے اندر تجارتی کام کرنے کی صلاحیت اور واقفیت ہوتی ہے وہ چاہتا ہے کہ کام کرے لیکن اس کے پاس سرمایہ نہیں ہوتا، گویا ایک کو اپنی منفعت کے لئے کام و عمل کی حاجت اور دوسرے کو سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہذا عقل کا تقاضا یہ ہے کہ مضاربت جیسا معاملہ جائز ہو تاکہ ہر فریق کی حاجت و ضرورت پوری ہو اور ہر ایک کو فائدہ پہنچے، اس دلیل میں پہلے تو کلام کی کافی گنجائش ہے اور اگر اس کو بلا چون و چرا صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس سے صرف ایسے لوگوں کے لئے مضاربت کا جواز نکالا جا سکتا ہے جن کا اس میں ذکر ہے یعنی معذور اور ضرورت مند لوگوں کے لئے، غیر معذور اور غیر ضرورت مندوں کے لئے اس کا جواز ثابت نہیں کیا جا سکتا جو اپنے مال کے ساتھ خود تجارت کر کے کما کھا سکتے ہیں۔ گویا اس دلیل سے عام لوگوں کے لئے مضاربت کا جواز پیدا نہیں ہوتا بعض خاص قسم کے لوگوں کیلئے پیدا ہوتا ہے۔ جن کی تعداد معاشرے میں پانچ فی صد بھی نہیں ہوتی۔ اور ظاہر ہے کہ جس چیز کا جواز مثلاً پانچ دس فی صد افراد کے لئے ان کے مخصوص حالات کی وجہ سے ہو اسے سو فیصد افراد کے لئے جائز قرار دینا خلاف عقل و دانش ہے، دین اسلام میں معذور لوگوں کے لئے جو رخصتیں اور مراعات ہیں وہ انہی تک محدود ہیں جو عذر رکھتے ہوں۔ غیر معذوروں کے لئے ان سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہوتا، مثلاً مسافر کے لئے جو مراعات ہیں مقیم ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا، اسی طرح مریضوں کے لئے جو

مراعات میں تندرستوں اور صحت مندوں کے لئے جائز نہیں کہ وہ ان سے فائدہ اٹھائیں غرضیکہ جو قانون معاشرے کی اکثریت کے عمومی حالات سے تعلق رکھتا ہو وہ تو معاشرے کے کل افراد پر لاگو اور جاری ہو سکتا ہے لیکن جو قانون تھوڑی سی اقلیت کے مخصوص حالات سے تعلق رکھتا ہو وہ معاشرے کے سب افراد پر جاری نہیں ہو سکتا۔

علاوہ ازیں دلیل مذکور میں دو فریقوں کی جس ضرورت کا ذکر ہے اس کے پورے ہونے کے لئے محض مضاربت کا ہی طریقہ نہیں بلکہ اسلامی معاشرے میں کچھ دوسری صورتیں بھی ہیں جن سے ہر دو فریق کی وہ ضرورت پوری ہو جاتی اور مضاربت کو اختیار کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی، مثلاً اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ معاشرے کے جن افراد کے پاس ضرورت سے زائد مال ہو وہ دوسرے نادار تمند افراد کو صدقہ و ہبہ کے طور پر دیں' اگر صدقہ و ہبہ کے طور پر نہ دے سکتے ہوں تو پھر قرض حسنہ کے طور پر دیں لہٰذا ظاہر ہے کہ اس سے اس تجارت پیشہ شخص کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے جو تجارت کے لئے سرمائے کا محتاج ہوتا ہے علاوہ ازیں کسبِ معاش کا طریقہ صرف تجارت اور خرید و فروخت ہی تو نہیں جس کے لئے سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ اور طریقے بھی ہیں جن کیلئے زر و نقدی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مثلاً محنت و مشقت اور نوکری و ملازمت کا طریقہ جس میں کام کرنے والے کو متعین اجرت ملتی ہے یا صنعت و حرفت کا طریقہ جس میں تھوڑے مال سے بھی کام چل جاتا ہے، اسی طرح اسلام چونکہ اسلامی حکومت پر لازم ٹھہراتا ہے کہ وہ ایک ایسا اجتماعی بیت المال قائم کرے جو معاشرے کے ایسے افراد کو مالی سہارا دے اور ان کی معاشی کفالت کرے جو محتاج و نادار ہونے کے ساتھ ساتھ کسی عذر کی وجہ سے معذور ہوں اور خود محنت و مشقت کر کے کما کھا نہ سکتے ہوں لہٰذا معاشرے میں بیت المال کا نظام ہوتے ہوئے کسی معذور فرد کو کبھی یہ فکر و تشویش لاحق نہیں ہوتی کہ اس کے پاس جو مال ہے وہ ختم ہو گیا تو پھر اس کا کیا بنے گا اور کیسے گذارہ ہوگا۔

حاصل یہ کہ جس ضرورت کے حوالے سے دلیل مذکور کو جواز مضاربت کے لئے پیش کیا جاتا ہے اگر فی الواقعہ وہ ضرورت صرف مضاربت ہی سے پوری ہو سکتی ہوتی تو دلیل ضرور کارآمد اور مفید ہو سکتی تھی لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا وہ ضرورت دوسرے طریقوں سے بھی پوری ہو سکتی ہے لہٰذا یہ دلیل کمزور اور غیر مؤثر ہے اور اس سے مضاربت کا قطعی جواز نہیں نکلتا۔

دوسری قیاسی دلیل جو مضاربت کے جواز میں پیش کی گئی ہے وہ یہ کہ چونکہ مضاربت

کا معاملہ، مزارعت سے ملتا جلتا ہے اور مزارعت کا معاملہ جائز ہے لہٰذا مضاربت کا معاملہ بھی جائز ہونا چاہئیے۔ یہ دلیل جس درجہ سے کمزور اور ناقابلِ اعتماد ہے وہ یہ کہ اس میں جس مزارعت پر مضاربت کو قیاس کیا گیا اس کا جواز و عدمِ جواز خود ایک اختلافی و نزاعی مسئلہ ہے بعض علماء اس کے جواز اور بعض عدمِ جواز کے قائل ہیں مثلاً درجہ اوّل کے چار ائمہ مجتہدین جن کی طرف چار فقہی مذاہب منسوب ہیں ان میں سے امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ مستقلاً اس کی ہر شکل کو باطل و ناجائز کہتے ہیں اور امام احمد بن حنبلؒ بھی سوائے ایک شکل کے جس میں بیج مالکِ زمین کی طرف سے ہو باقی سب شکلوں کو ناجائز گردانتے ہیں البتہ صاحبین یعنی امام ابوحنیفہ کے تلامذہ میں سے امام محمدؒ شیبانی اور قاضی ابویوسفؒ نے اس کی بعض شکلوں کو جائز اور بعض کو ناجائز لکھا ہے بلکہ قاضی ابویوسفؒ نے تو الٹا مزارعت کے جواز کو مضاربت کے جواز پر قیاس کیا ہے، بہرحال دلائل سے قطع نظر یہ واقعہ ہے کہ چوٹی کے ائمہ مجتہدین کی اکثریت کے نزدیک مزارعت باطل، فاسد اور ناجائز معاملہ ہے لہٰذا مضاربت کو مزارعت پر قیاس کرنا غلط اور فاسد قیاس ہے۔

مضاربت کے جواز کے لئے ایک اور قیاسی دلیل یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ "الخراج بالضمان" جس کے معنے ہیں: جو شخص بصورتِ ہلاکت کسی شے کا تاوان برداشت کرتا ہے وہ اس کے فائدے کا بھی حقدار ہوتا ہے اور چونکہ مضاربت میں ربّ المال نقصان کی صورت میں نقصان برداشت کرتا ہے۔ لہٰذا نفع کی صورت میں قاعدہ مذکور کی رُو سے وہ نفع کا بھی مستحق قرار پاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ کہ مضاربت جائز ہے

اس دلیل میں جو خامی اور کمزوری ہے اسے واضح کرنے سے پہلے یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ اس دلیل میں جو قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے یہ دراصل ایک حدیثِ نبوّی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص موقع پر ارشاد فرمائی جب دو شخص ایک جھگڑا لے کر آپؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے جن میں سے ایک نے دوسرے سے اس شرط پر غلام خریدا کہ اگر اس میں کوئی عیب نکلے گا تو واپس کر دیا جائے گا۔ چنانچہ کچھ دنوں کے بعد اس میں ایک عیب ظاہر ہوا لہٰذا خریدار نے غلام اس کے مالک کو واپس کر دیا۔ اب مالک نے خریدار سے اس فائدے کا مطالبہ کیا جو خریدار نے غلام سے اٹھایا تھا، اس میں ان کے درمیان نزاع ہوا اور تصفیے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے

حضورؐ نے خریدار کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے فرمایا "الخراج بالضمان" مطلب یہ کہ جس نے ان دنوں میں غلام کے کھانے پینے وغیرہ کا خرچہ برداشت کیا وہی اس فائدے کا بھی حق دار ہے جو اس نے غلام سے اٹھایا، یا یہ کہ ہلاکت کی صورت میں جو تاوان کا ذمہ دار ٹھہرتا وہی اس شے کے فائدے کا بھی مستحق ہوتا ہے۔

چونکہ اس حدیث میں خراج سے مراد غلام کا وہ فائدہ ہے جو اس کی سعی و محنت سے خریدار کو حاصل ہوا، اور ضمان سے مراد وہ مالی خرچہ ہے جو خریدار یا تا حکم ثانی مالک کو غلام کی ضروریات پر برداشت کرنا پڑتا، یا وہ تاوان ہے جو غلام کے ہلاک ہو جانے کی صورت میں خریدار کو مالک کے لیے ادا کرنا پڑتا۔ بہرحال ضمان سے جو بھی مراد ہو لیکن خراج کا مطلب صرف وہ فائدہ ہے جو غلام کی سعی و محنت سے ظہور میں آتا ہے، اور ظاہر ہے کہ مضاربت کے اندر زر نقد ہی کی شکل میں جو مال ہوتا ہے وہ جامد و بے جان شے ہونے کی وجہ سے کسی چیز کو پیدا نہیں کرتا بلکہ مضاربت میں بصورت نفع جو فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ تمام تر عامل کی دماغی جسمانی محنت و مشقت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لہٰذا حدیث مذکور میں جو قاعدہ کلیہ ہے وہ پوری طرح مضاربت پر منطبق نہیں ہوتا، اور یہ اس لئے بھی کہ مضاربت میں عموماً رب المال اپنے اس مال کے ساتھ جو زائد مال بصورت نفع لیتا ہے وہ بغیر کوئی نقصان اٹھائے یونہی مفت میں لیتا ہے یعنی ضمان کے بغیر خراج لیتا ہے۔ مطلب یہ کہ مضاربت میں نقصان کا احتمال تو ہوتا ہے لیکن وقوع بہت کم اور شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتا ہے۔ لہٰذا اس پر قاعدہ مذکورہ اس طرح صادق نہیں آتا جس طرح کہ اجارے اور کرائے کے معاملہ پر صادق آتا ہے جس میں کرائے پر دی ہوئی چیز استعمال سے گھستی اور مالیت میں گھٹتی ہے اور مالک جو کرایہ لیتا ہے اس کے عوض ضرور کچھ نہ کچھ نقصان برداشت کرتا ہے گویا اس میں خراج کے ساتھ ضمان ضرور پایا جاتا ہے۔

پھر جہاں تک قیاس کا تعلق ہے بعض فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ معاملۂ مضاربت جائز نہیں ہونا چاہئے مثلاً علامہ کاسانیؒ اپنی کتاب بدائع الصنائع میں لکھتے ہیں: اما الاول: فالقیاس انه لا یجوز لانه استیجار باجر مجهول بل باجر معدوم ولعمل مجهول لکنا ترکنا القیاس بالکتاب والسنة والاجماع، پس جہاں تک مضاربت کے جواز کا تعلق ہے قیاس یہ چاہتا ہے کہ وہ جائز نہ ہو کیونکہ اس میں

گر وہاں بلکہ معدوم اجرت کے عوض دوسرے سے کام لیا جاتا ہے اور کام میں دقت و مقدار کے لحاظ سے مجہول وغیرہ متعین ہوتا ہے، لیکن ہم نے کتاب، سنت اور اجماع کی وجہ سے قیاس ترک کر دیا۔

مناسب ہوگا اگر یہاں کچھ ان دلائل کا بھی ذکر کر دیا جائے جو علامہ کاسانی نے جواز مضاربت کے لئے کتاب، سنت اور اجماع سے نقل فرمائے ہیں۔ کتاب اللہ سے انہوں نے تین آیات نقل فرمائی ہیں: ایک سورہ مزمل کی یہ آیت: وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ۔ دوسری سورہ الجمعہ کی یہ آیت: فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ۔ اور تیسری سورہ بقرہ کی آیت: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ۔ لیکن جیسا کہ پیچھے تفصیل کے ساتھ عرض کیا گیا کہ تینوں آیات مطلق تجارت سے متعلق ہیں مضاربت والی تجارت سے متعلق نہیں لہٰذا ان سے مضاربت کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ سنت سے انہوں نے حضرت عباس والی حدیث ذکر کی ہے جسے کئی وجوہ سے محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ میں پیچھے کسی قدر تفصیل کے ساتھ بحث کی جا چکی ہے۔ سنت سے دوسری دلیل یہ بیان فرمائی ہے کہ عہد رسالت میں لوگوں کا مضاربت پر عمل تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا۔ گویا سنت تقریری سے اس کا جواز ثابت ہے۔ میں پیچھے علامہ ابن حزم کے قول پر بحث کے ضمن میں اس کے متعلق بھی کچھ لکھ چکا ہوں۔ اجماع کے ذکر میں موصوف نے لکھا ہے کہ روایات بتلاتی ہیں کہ صحابہؓ کرام کی ایک جماعت نے اپنے زیر تولیت یتیموں کا مال دوسروں کو مضاربت پر دیا اور کسی روایت سے یہ ثابت نہیں کہ دوسرے صحابہؓ نے اس سے انکار کیا ہو تو گویا اس پر صحابہؓ کا اجماع ہوا۔ یاد ہوگا کہ میں پیچھے ان سب روایات کو نقل کر کے عرض کر چکا ہوں کہ ان روایات کو اگر صحیح مان لیا جائے تو ان سے یتیموں کی حد تک جو خود کام کرنے اور کمانے سے معذور ہوتے ہیں، مضاربت کا جواز نکلتا ہے۔ غیر یتیموں اور غیر معذوروں کے لئے عمومی جواز نہیں نکلتا۔

خلاصہ بحث: مضاربت کی شرعی حیثیت سے متعلق گذشتہ صفحات میں جو تفصیلی بحث کی گئی اس کا خلاصہ یہ کہ مضاربت کے جواز میں کتاب، سنت، اجماع اور قیاس سے جو دلائل پیش کئے گئے ہیں ان میں سے زیادہ تر ایسے ہیں جن کا نہ مضاربت سے کچھ تعلق ہے اور نہ مضاربت کے جواز پر دلالت کرتے ہیں، البتہ کچھ دلائل ایسے ہیں جن سے مضاربت

کا جواز نکلتا ہے لیکن وہ جواز وجوب اور استحباب کے درجہ میں نہیں بلکہ مکروہ کے درجہ کا ہے جس کا ترک کرنا اختیار کرنے سے بہتر ہے۔ اور یہ کہ مضاربت گو ربٰو کی طرح حرام نہیں ممنوع نہیں لیکن معاملۂ بیع کی طرح حلال اور مشروع بھی نہیں جس میں کوئی شخص اپنے مال کے ساتھ خرید و فروخت کی شکل میں خود کام محنت کرتا اور نفع کماتا ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک ایسا معاملہ ہے جو ایک پہلو سے معاملۂ بیع کے مشابہ اور دوسرے پہلو سے معاملۂ ربٰو کے مماثل ہے لہٰذا اس معاملہ کو نہ حلال بیّن کہہ سکتے ہیں اور نہ حرام بیّن، بلکہ ان معاملات میں سے ایک کہہ سکتے ہیں جن کو حدیث مذکور میں مشتبہات سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور جن سے بچنے اور احتراز کرنے کی اس میں ترغیب اور تاکید ہے۔

علاوہ ازیں مضاربت کی شرعی حیثیت پر کچھ اس سے بھی روشنی پڑتی ہے کہ قرآن مجید میں ارشادِ رب العزت ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ، یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا حکم دیتا اور عدل اور احسان چاہتا ہے۔ اس آیت مبارکہ کا تقاضا ہے کہ مسلمان باہمی معاملات میں عدل اور احسان اختیار کریں جو معاملات عدل اور احسان کے مطابق ہوں وہ اختیار کریں اور جو عدل اور احسان کے مطابق نہ ہوں ان سے بچیں اور احتراز کریں۔ اس کی روشنی میں جب ہم معاملۂ مضاربت کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ معاملہ نہ احسان کے مطابق نظر آتا ہے اور نہ عدل کے مطابق، کیونکہ احسان اس بارے میں یہ ہے کہ ضرورت مند کو مال صدقہ دہدیہ یا قرض حسنہ کے طور پر دیا جائے، نفع کے ایک حصّہ پر دینا احسان نہیں، اور عدل کے مطابق یہ معاملہ اس لئے نہیں کہ عدل اس بارے میں یہ ہے کہ جس کی سعی و محنت سے کوئی مال اور نفع وجود میں آیا ہو وہ سب کا سب اسی کو ملے اس میں کوئی دوسرا شریک اور حصّہ دار نہ ہو جس نے نہ کوئی سعی و محنت کی ہو اور نہ فی الواقع کوئی مالی نقصان برداشت کیا ہو، اور ظاہر ہے کہ بصورت نفع مضاربت میں سرمائے والا فریق اپنے اصل سرمائے کے ساتھ جو زائد نفع لیتا ہے اس کے بدلے اس کی طرف سے نہ کوئی سعی و محنت موجود ہوتی ہے اور نہ حقیقی طور پر کوئی مالی نقصان موجود ہوتا ہے، لہٰذا یہ معاملہ عدل کے خلاف ہے، جہاں تک نقصان کی صورت میں نقصان برداشت کرنے کی ذمہ داری کا تعلق ہے وہ حقیقت میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اس مال کا صحیح بدل بن سکتی ہو جسے سرمائے والا فریق نفع کے نام سے لیتا ہے یہ دوسری بات ہے کہ اس ذمہ داری کی وجہ سے ——

اس کے لئے نفع لینے کا نہائت کمزور سا جواز پیدا ہو جاتا اور جس کی وجہ سے معاملہ مضاربت معاملۂ ربٰو سے جدا معاملہ قرار پاتا اور اس سے بہتر ہوتا ہے۔

یہاں اگر یہ کہا جائے کہ مضاربت میں جو نفع حاصل ہوتا ہے وہ محنت اور سرمائے دونوں سے وجود میں آتا ہے لہٰذا جس طرح محنت سے پیدا شدہ حصّے کا محنت کرنے والا حق دار ٹھہرتا ہے اسی طرح سرمائے سے پیدا شدہ حصّے کا حق دار سرمائے والا قرار پاتا ہے بنا بریں نفع کی صورت میں سرمائے والا نفع کا جو حصّہ لیتا ہے وہ اس کا حق ہوتا اور وہ اپنا حق لیتا ہے لہٰذا یہ معاملہ عدل کے خلاف نہیں بلکہ عین مطابق ہوا، تو اس کا جواب یہ کہ یہ بات اس صورت میں صحیح ہوسکتی تھی جب سرمایہ بھی کسی مال و دولت کو پیدا کرتا ہوتا حالانکہ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ کوئی سرمایہ اپنے وجود کو جوں کا توں برقرار رکھتے ہوئے کسی چیز کو پیدا نہیں کرتا، پھر جہاں تک اس سرمائے کا تعلق ہے جو مضاربت میں زر ونقدی اور روپوں پیسوں کی شکل میں رب المال عامل کو دیتا ہے تو یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کا ہر کوئی مشاہدہ کرتا ہے کہ یہ سرمایہ تجوری وغیرہ میں پڑا ہو تو خواہ کتنا ہی طویل زمانہ اس پہ گزر جائے کبھی اس کی مقدار و تعداد میں کوئی اضافہ و نما نہیں ہوتا، اسی طرح چونکہ یہ ایک بے جان اور بے حس و حرکت چیز ہے لہٰذا یہ کبھی کسی شے کو پیدا بھی نہیں کرسکتا، نیز استعمال سے اس کی قیمت اور مالیت میں کبھی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، جس طرح کہ کرائے پہ دی ہوئی کسی چیز کی قیمت و مالیت میں واقع ہوتی ہے جو استعمال ہونے سے گھستی اور پرانی ہوتی رہتی ہے۔ اور کرائے کے جواز کا سبب بنتی ہے۔

دراصل یہ اصول کہ محنت کی طرح سرمایہ بھی مال و دولت کو پیدا کرتا ہے۔ نظام سرمایہ داری کا بنیادی اصول ہے۔ یہ اصول جہاں حقیقت واقعہ کے لحاظ سے غلط و باطل ہے وہاں ان بے شمار مفاسد کا بھی باعث ہے جن کی وجہ سے نظام سرمایہ داری ایک بدترین اور مردود نظام ہے، حقیقت واقعہ کے لحاظ سے یہ اصول اس لئے غلط ہے کہ حقیقت میں مال جو بھی پیدا ہوتا ہے قدرتی مادے اور انسانی محنت سے پیدا ہوتا ہے یعنی جب کوئی انسان کسی قدرتی شے میں اپنی سعی و محنت سے ایسا تصرف اور رد و بدل کرتا ہے جس سے اس کی قدرتی افادیت میں ایک نئی افادیت پیدا ہو جاتی ہے تو یہ شے ایک اعتبار سے دولت اور دوسرے اعتبار سے سرمایہ کہلاتی ہے یعنی اگر وہ شخص اس شے کو ذاتی صرف و استعمال

کے لئے مخصوص کرلیتا ہے تو اس اعتبار سے معاشیات کی اصطلاح میں اسے دولت (ویلتھ) اور اگر اس کو مزید کمائی کا ذریعہ بنا لیتا ہے تو اصطلاح میں اسے سرمایہ کہا جاتا ہے مثلاً جو مکان اپنی رہائش کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہو وہ اس کی دولت اور جو کرائے پر چلانے کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہو وہ اس کا سرمایہ یعنی کیپٹل ہے، گویا دولت اور سرمائے کے درمیان حقیقی فرق نہیں بلکہ محض اعتباری فرق ہے۔ ایک ہی شے ایک اعتبار سے دولت اور دوسرے اعتبار سے سرمایہ کہلاتی ہے اور پھر اس شے کی ماہیت کا تجزیہ کیا جائے تو وہ دو چیزوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتی: ایک کوئی قدرتی مادہ اور دوسری انسانی محنت کے اثرات جن کی وجہ سے قدرتی مادے نے ایک خاص شکل اختیار کی۔ مطلب یہ کہ حقیقت کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ جس چیز کو ہم دولت و مال کہتے ہیں وہ صرف دو چیزوں سے وجود میں آتی ہے ایک کسی قدرتی مادے سے اور دوسری انسانی سعی و محنت کے اثرات سے۔ ان دو کے سوا سرمایہ نام کی تیسری کوئی چیز اس کو پیدا نہیں کرتی۔ یہ الگ بات ہے کہ سرمائے کا وجود ہر کاروبار کے لئے ضروری ہوتا ہے، تجارت، صنعت اور زراعت کوئی بھی سرمائے کے بغیر ممکن نہیں لیکن کسی چیز کا دوسری چیز کے لئے ضروری ہونا اور بات ہے اور کسی چیز کا دوسری چیز کو پیدا کرنا اور بات۔ دونوں کے درمیان کوئی تلازم نہیں یعنی عقلاً یہ لازمی نہیں کہ جو چیز دوسری کے لئے ضروری ہو وہ اس کو پیدا کرنے والی بھی ہو۔

اسی طرح یہ بھی ناقابلِ انکار واقعہ ہے کہ زر و نقدی کے سوا ہر سرمایہ جو کسی کاروبار میں استعمال ہوتا ہے استعمال ہونے سے جزوی یا کلی طور پر تحلیل ہوتا اور اس پیداوار میں اضافے کا باعث بنتا ہے جو انسانی محنت سے وجود میں آتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ اس سرمائے نے کسی چیز کو پیدا کیا کیونکہ پیدا کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک چیز اپنے وجود کو جوں کا توں برقرار رکھتے ہوئے دوسری چیز کے وجود کا باعث بنی اور چونکہ اس صورت میں سرمائے کا وجود جوں کا توں برقرار نہیں رہتا بلکہ جزوی یا کلی طور پر تحلیل ہو جاتا ہے لہٰذا یہ نہیں کہہ سکتے کہ سرمائے نے پیداوار کے ایک حصہ کو پیدا کیا۔

پھر یہ بات جس طرح حقیقت واقعہ کے لحاظ سے غلط ہے کہ سرمایہ بھی دولت کو پیدا کرتا ہے اسی طرح ان برے اثرات و نتائج کے لحاظ سے بھی باطل ہے جو اس بات کو ماننے اور اس پر عمل کرنے سے لازماً وجود میں آتے اور معاشرے کے لئے بدامنی و

بے چینی اور تباہی و بربادی کا باعث بنتے ہیں، مطلب یہ کہ جس معاشرے میں سرمائے والے فریق کو بغیر کسی مفید محنت و مشقت کے محض اس بنا پر کاروبار کے منافع کے ایک حصّہ کا حق دار ٹھہرایا جاتا ہو کہ کاروبار میں اس کا سرمایہ استعمال ہوا ہے اس میں لازمی ہے کہ ملکی دولت چند ہاتھوں میں سمٹے اور وسائلِ دولت پر چند افراد کی اجارہ داری قائم ہو اور ان کی مرضی کے مطابق ملکی معیشت کی گاڑی چلے، ایسے معاشرے میں غیر فطری قسم کا معاشی عدم توازن ضرور رونما ہوکر رہتا ہے کہ ایک طرف چند کروڑوں اور اربوں پتی ہوتے ہیں۔ دوسری طرف عظیم اکثریت کو بنیادی ضروریات تک پوری طرح میسّر نہیں ہوتیں اور وہ معاشی پریشانیوں کا شکار ہوتی ہے اور اس سے طرح طرح کی معاشرتی برائیاں اور سماجی خرابیاں جنم لیتی ہیں۔ اور معاشرے کو کھوکھلا کرکے رکھ دیتی ہیں اس میں طبقاتی تصادم کا ہمیشہ اندیشہ رہتا اور وقتاً فوقتاً ایسے حالات رونما ہوتے رہتے ہیں جو پورے معاشرے کے لئے بدامنی و بے چینی کا سبب بنتے ہیں اور کسی کو پائدار سکون و اطمینان نصیب نہیں ہوتا، اسلام چونکہ پائدار امن و سلامتی کا علمبردار ہے لہٰذا اس کے نزدیک ہر وہ اصول و نظریہ باطل قرار پاتا ہے جس پر عمل کرنے کے نتیجہ میں باہمی نزاع و تصادم کا دروازہ کھلتا اور بدامنی و بے چینی وجود میں آتی ہو، اور چونکہ سرمائے کو پیدائش دولت کا ذریعہ ماننا بھی ایسا ہی تصوّر ہے لہٰذا اسلام کی رو سے باطل اور مردود ہے۔

خلاصہ یہ کہ معاملۂ مضاربت نہ احسان کی تعریف میں آتا ہے اور نہ پوری طرح عدل کی تعریف میں اور اسلام چونکہ عدل اور احسان چاہتا ہے۔ لہٰذا یہ معاملہ منشائے اسلام کے مطابق نہیں اور اس کو صحیح اسلامی معاملہ کہنا مشکل ہے البتّہ یہ ربٰو سے ضرور بہتر ہے، چنانچہ اگر کسی معاشرے میں خاص طرح کے ذہنی اور خارجی حالات کی وجہ سے ربٰو کا عام رواج ہو اور اسے دفعتہً ختم کرنے میں شدید ردّعمل ظاہر ہونے اور معاشرے کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں ربٰو کو ختم کرنے کا صحیح طریق کار یہ ہے کہ اسے بتدریج اور مرحلہ بمرحلہ ختم کیا جائے لہٰذا اس میں کسی مرحلہ پر ربٰو کی جگہ مضاربت کو اختیار کرلیا جائے تو ایسا کرنا جائز اور بہتر ہوگا کیونکہ یہ ایک اسلامی قاعدہ ہے کہ جب دو برائیوں میں سے ایک کا اختیار کرنا ناگزیر ہو تو اس کو وقتی طور پر اختیار کرلیا جائے جو نسبتاً کم درجہ کی ہو لیکن عبوری طور پر مضاربت کو اختیار کرنا اس ارادہ سے ہو کہ آگے

چل کر اسے چھوڑ دیا جائے جب مطلوبہ ذہنی اور خارجی حالات وجود میں آجائیں گے۔ کیونکہ مضاربت جیسے غیر عادلانہ معاملات کے ذریعے وہ معتدل و متوازن معاشی ماحول کبھی وجود میں نہیں آسکتا جو اسلام اپنے مجوزہ مثالی معاشرے کے اندر موجود دیکھنا چاہتا ہے یعنی ایسا معاشی ماحول جس میں بلا کسی تخصیص و امتیاز ہر ہر فرد کو کسی نہ کسی شکل میں بنیادی معاشی ضروریات بھی میسّر ہوں جن کے بغیر عام طور پر ایک انسان اپنی طبعی عمر تک نہ اطمینان کے ساتھ زندہ رہ سکتا اور نہ اپنے ضروری فرائض صحیح طریقہ سے ادا کر سکتا ہے۔ جو مختلف حیثیات سے اس پر عائد ہوتے ہیں نیز اس میں ہر ہر فرد کو معاشی ترقی یعنی ضرورت سے زیادہ سامان معاش حاصل کر سکنے کا موقع بھی حاصل ہو مطلب یہ کہ اگر وہ حاصل کرنا چاہے تو اپنی صلاحیتوں کے مطابق مناسب طور پر حاصل کر سکے آگے اس کی مرضی کہ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے، بلکہ ایسا معاشی ماحول صرف ان اعمال و معاملات کے ذریعے وجود میں آسکتا ہے جو کامل عدل پر مبنی اور حقیقی طور پر اسلامی اعمال و معاملات ہیں اور جن کی وجہ سے اسلام کے معاشی نظام کی غیر اسلامی معاشی نظاموں پر فوقیت و برتری ثابت کیجا سکتی ہے

آخر میں یہ واضح کر دینا نہائت ضروری ہے کہ میں نے اس مقالے میں مضاربت کی شرعی حیثیت پر جو طویل بحث کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کچھ عرصہ سے مسلم ممالک میں یہ تحریک چل رہی ہے کہ ان کے ہاں جو غیر اسلامی نظام معیشت رائج ہے اسے اسلامی نظام معیشت سے بدلا جائے خصوصاً بنکاری اور سرمایہ کاری کے موجودہ نظام کو جو ربٰو کی بنیاد پر چل رہا ہے ایسے نظام سے بدلا جائے جو ربٰو سے پاک اور منشأ اسلام کے مطابق ہو، چنانچہ اس مقصد کے تحت مختلف ممالک کے علمار کرام اور ماہرین اقتصادیات نے بنکاری اور سرمایہ کاری کا جو متبادل نقشۂ نظام تجویز کیا وہ تمامتر مضاربت کی بنیاد پر ہے اور پھر ان حضرات کی تحریروں میں مضاربت کا اس انداز سے ذکر اور پرچار ہے کہ گویا یہ معاملہ منشائے اسلام کے عین مطابق اور حقیقی طور پر اسلامی معاملہ ہے لہٰذا اس پر مبنی نظام بنکاری اور سرمایہ کاری بھی صحیح معنوں میں اسلامی نظام بنکاری و سرمایہ کاری ہے حالانکہ یہ درست نہیں جیسا کہ اس تفصیلی بحث سے ظاہر و واضح ہے جو اس مقالے میں پیش کی گئی ہے، بلکہ ان حضرات کی تحریروں سے ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے مضاربت کی شرعی حیثیت پر غور کرنے اور اسے سمجھنے کی کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں کی اور نہ کبھی پوری توجہ کے ساتھ معاشی عدل اور معاشی

ظلم کے اس تصور کو جاننے کی کوشش فرمائی ہے جس کو اسلام نے معاشی معاملات کے جواز و عدم جواز اور حلال و حرام میں سامنے رکھا اور جس کے مطابق کچھ معاشی معاملات کو جائز و حلال اور کچھ کو حرام و ناجائز ٹھہرایا ہے اور کبھی یہ سوچا ہے کہ اسلام کا معاشی نظام اپنی جن خصوصیات کی وجہ سے دوسرے معاشی نظاموں جیسے اشتراکیت اور سرمایہ داری سے بنیادی طور پر جدا اور افادی طور پر بہتر ہے۔ وہ خصوصیات کیا ہیں؟ اور یہ کہ جن برائیوں سے بچانے کے لئے اسلام نے ربٰو اور ربوی معاملات کو حرام قرار دیا ہے کیا مضاربت کے عام رواج سے وہ برائیاں معاشرے سے کلی طور پر ختم ہو جاتی ہیں یا اس کے باوجود بہت کچھ باقی رہتی ہیں! وغیرہ وغیرہ۔

بہرحال جس طرح یہ درست نہیں کہ معاملۂ مضاربت منشائے اسلام کے عین مطابق اور حقیقی طور پر ایک اسلامی معاملہ ہے اور یہ کہ اس کی بنیاد پر تشکیل شدہ نظامِ بنکاری و سرمایہ کاری صحیح معنوں میں اسلامی نظامِ بنکاری و سرمایہ کاری ہوگا اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں کہ موجودہ حالات میں ایسا نظامِ بنکاری و سرمایہ کاری کامیابی کیساتھ چل سکتا ہے کیونکہ نظامِ بنکاری کے کامیابی کیساتھ چلنے کا مطلب ہے کہ یہ نظام جس مقصد کے تحت قائم ہوا ہے وہ مقصد پورے اور بہتر طور پر حاصل ہوتا رہے اور وہ مقصد یہ کہ ایک طرف کچھ لوگ کم شرح سود پر بنک کو زیادہ سے زیادہ قرضہ دیتے رہیں اور دوسری طرف کچھ لوگ زیادہ شرح سود پر بنک سے قرضے لیتے رہیں تاکہ اس کو زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو اور اس کا تموّل بڑھے، گویا بنک کا مقصد زر و نقدی کے لین دین کے ذریعے زیادہ سے زیادہ نفع کمانا اور اپنا تموّل بڑھانا ہے، اور یہ مقصد بنک کو جس طرح ربٰو سے حاصل ہوتا ہے اس طرح مضاربت سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ربٰو کی شکل میں لوگوں کو یہ وثوق و اطمینان ہوتا ہے کہ وہ بنک کو جو مال دیں گے وہ نہ صرف یہ کہ ان کو ضرور ملے گا بلکہ اضافے کے ساتھ ملے گا جبکہ مضاربت کی صورت میں نفع تو کجا اصل رقم واپس ملنے کا بھی وثوق نہیں ہوتا اور پھر نقصان کی صورت میں سارا نقصان رب المال کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ نیز چونکہ بنک کی حیثیت کسی محتاج و ضرورتمند انسان کی کبھی نہیں ہوتی بلکہ ایک ایسے متموّل اور دولت مند انسان کی سی ہوتی ہے جس کا مقصد اپنے تموّل کو بڑھانا اور اپنی دولت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کرنا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کو برتنے کے لئے مال دینا اور اس کے لئے نقصان برداشت کرنا کوئی ایسی نیکی نہیں جس پر مسلمان کو اجر و ثواب ملنے کی توقع ہو اور وہ رضائے الٰہی اور اجرِ اخروی کی خاطر بخوشی

نقصان برداشت کرلے بلکہ ایسے ادارے کا تعاون شاید گناہ اور عدوان میں تعاون ہو۔ غرضیکہ بنک کو مضاربت پر مال دینے میں انسان کو نہ دنیوی فائدے کا یقین ہوتا ہے اور نہ اخروی اجر و ثواب کی کوئی امید بخلاف ربٰو کے کہ اس میں دنیوی فائدے کا یقین ہوتا ہے اور پھر آج عام طور پر مسلمانوں کی بھی ذہنی حالت یہ ہے کہ وہ اپنا ضرورت سے زائد مال دوسرے ضرورت مند مسلمانوں کو بھی اس وقت تک برتنے کے لئے نہیں دیتے جب تک کہ انہیں یہ وثوق اور اطمینان نہ ہو کہ ان کا مال ان کو نہ صرف یہ کہ ضرور واپس ملے گا بلکہ اضافے اور فائدے کے ساتھ واپس ملے گا تو پھر وہ بنک جیسے تجارتی ادارے کو اس کے بغیر کیسے دے دیں گے۔

اسی طرح بنک جب کاروباری لوگوں کو قرض متعین شرح سود پر دیتا ہے تو اس کا اصل مال بھی محفوظ رہتا اور اس میں اضافہ بھی یقینی ہوتا ہے، اور اگر مضاربت پر دیتا ہے تو نہ اس رقم کی واپسی کی ضمانت ہوتی ہے اور نہ نفع کا یقین ہوتا بلکہ محض احتمال ہوتا اس کے ساتھ ساتھ آج عام طور پر کاروباری لوگوں کے حالات ایسے ہیں کہ نہ وہ حساب کتاب صحیح رکھتے اور نہ دیانت و سچائی سے کام لیتے ہیں۔ لہٰذا ایسے حالات میں بنک کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ کچھ اور زیادہ ہو جاتا ہے لہٰذا اس کے مقصد وجود کا یہ تقاضا ہے کہ وہ مضاربت پر دینے کی بجائے اپنا مال دوسروں کو ربٰو پر دے، بنابریں یہ کسی طرح قرین قیاس اور مطابق عقل نہیں کہ موجودہ حالات میں نظام بنکاری مضاربت کی بنیاد پر کامیابی کے ساتھ چل سکتا ہے سوائے اس کے کہ مضاربت کی شرعی حقیقت کو اس طرح مسخ کیا اور بدل دیا جائے کہ وہ ربٰو ہی کی دوسری شکل بن کر رہ جائے جیسے کہ کچھ عرصہ پہلے پاکستان میں ہوا ہے، پاکستان بنکنگ کونسل نے بنکوں میں شرکت و مضاربت کے نام سے ایک شعبہ تجویز کیا اور اسے کھولنے سے پہلے ان کی طرف سے اخبارات میں اعلان ہوا کہ جو لوگ اس شعبہ میں کھاتے کھولیں گے ان کی رقوم قرض کی طرح محفوظ بھی رہیں گی اور سالانہ ساڑھے بارہ فیصد نفع بھی ملے گا اور دوران معاملہ سال میں دو مرتبہ نفع کی تقسیم ہوا کرے گی۔ پھر غضب یہ کہ اس شعبہ کو اسلامی کا نام دیا گیا، اس کے بعد بنکنگ کونسل نے اخبارات میں ایک اور اعلان کیا کہ وہ ایک عالیشان بلڈنگ بنانا چاہتے ہیں جس کے لئے اتنی رقم درکار ہے، جو لوگ مضاربت کے طریقہ پر اس میں سرمایہ کاری کرنا اور حصہ لینا پسند کریں